www.KitaboSunnat.com
© rasailojaraid.com

تحقیق و تنقید

پروفیسر محمد دین قاسمی

اشتراکیت کی درآمد

قرآن کے جعلی پرمٹ پر

قسط ۲

ملکیتِ مال — اور — قرآن مجید

قُلِ العَفوَ (۲/۲۱۹) پر بحث

قرآن کریم میں اس بات کی کیا دلیل ہے کہ افراد اپنی محنت کی کمائی میں سے صرف اس قدر کے ہی حق دار ہیں، جو فرد کا سب کی محنت کے بقدر ہو اور اس سے زائد کمائی کے وہ مالک نہیں ہو سکتے؟ اس کے جواب میں سورۃ البقرۃ کی یہ آیت پیش کی جاتی ہے۔

"يَسْئَلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ ط قُلِ الْعَفْوَ" (البقرۃ: ۲۱۹)

"وہ آپ سے پوچھتے ہیں کہ وہ کیا خرچ کریں؟ کہو جو بہترین چیز ہو۔"

پرویز صاحب کا استدلال یہ ہے کہ یہاں عفو کے انفاق کا حکم ہے لغتِ عرب میں چونکہ عفو المال کے معنی زائد از ضرورت مال کے بھی ہیں۔ اس لئے یہاں تمام زائد از ضرورت مال کے، انفاق کا حکم دیا گیا ہے جس کا صاف مطلب یہ ہے کہ لوگ زائد دولت کے مالک نہیں ہو سکتے ہیں۔

لیکن یہ استدلال کرتے ہوئے ادارہ طلوعِ اسلام کے بانی نے یہ قطعاً نہ سوچا، کہ زائد از ضرورت مال و دولت خرچ کرنے کی یہ ترغیب اہلِ ایمان کو دی گئی ہے کہ وہ اس مال کے خود مالک ہیں۔ اگر وہ اس فاضل دولت

© rasailojaraid.com
محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com
© rasailojaraid.com

کے مالک ہی نہ ہوتے اور قرآن کریم کے اس حکم کی روشنی میں کہ :

لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا اكْتَسَبُوا ۖ وَلِلنِّسَاءِ نَصِيبٌ مِّمَّا اكْتَسَبْنَ (النساء : ۳۲) وہ اپنی سعی وکاوش اور محنت کے ماحصل کے حق دار ہی نہیں ، تو انہیں انفاقِ مال کی یہ ترغیب دی ہی کیوں جاتی ۔ پھر بجائے اس کے کہ قرآن اربابِ اقتدار سے یہ کہے کہ :

"تم اہلِ مال و دولت سے فاضلہ دولت حاصل کر لو ، کیونکہ وہ اس کے حقدار ہی نہیں ہیں ۔" الٹا اہلِ مال ہی سے یہ کہتا ہے کہ :

"آپ اپنی "زائد از ضرورت" کمائی کو راہِ خدا میں صرف کر دیں ۔"

یہ اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ وہ فاضلہ دولت کو پہلے افراد کی ملکیت سمجھتا ہے اور پھر انہیں یہ ترغیب دیتا ہے کہ وہ اپنے عفو المال میں سے "راہِ خدا" میں صرف کریں ۔

خُذِ الْعَفْوَ (۷/۱۹۹) پر بحث

ممکن ہے کہ کسی کے ذہن میں یہ بات آجائے کہ اربابِ اقتدار کو قرآن نے یہ ذمہ داری سونپی ہے کہ وہ اہلِ مال سے زائد از ضرورت مال لے لیں اور دلیل میں آیت (۷/۱۹۹) کے ابتدائی ٹکڑے کو پیش کریں ، جس کے متعلق پرویز صاحب کا یہ فرمان ہے کہ :

"اس آیت میں اسلامی نظام یا اس کے سربراہ سے کہا گیا ہے کہ جماعت مؤمنین کا زائد از ضرورت مال اپنی تحویل میں لے لیا کرو ۔" (تفسیر مطالب الفرقان ، ج ۶ ، ص ۵۵)

حالانکہ اس سے قبل وہ "خذ العفو" کا ترجمہ "درگزر کرنا" کرتے رہے ہیں جیسا کہ مندرجہ ذیل عبارت سے ظاہر ہے :

"خُذِ الْعَفْوَ وَأْمُرْ بِالْعُرْفِ وَأَعْرِضْ عَنِ الْجَاهِلِينَ (۷/۱۹۹)

(بہرحال تم ان کی ان باتوں کی وجہ سے اپنے پروگرام میں رکو نہیں) تم ان سے درگزر کرتے ہوئے آگے بڑھتے جاؤ اور قاعدے اور قانون کے مطابق ، انہیں خدا کے احکام دیتے جاؤ اور جہلاء سے کنارہ کش رہو ۔" (مفہوم القرآن ۷/۱۹۹)

© rasailojaraid.com

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com
© rasailojaraid.com

ہمارے نزدیک پرویز صاحب کا یہ جدید مفہوم قطعی غلط ہے :

اولاً : اس لئے کہ عفو کا مفہوم زائد از ضرورت مال صرف اسی صورت میں لیا جا سکتا ہے جبکہ اس کے ساتھ مال کا لفظ بطورِ مضاف الیہ موجود ہو (جیسے عفو المال) یا پھر عفو کے ساتھ کوئی قرینہ ہو جو اس معنی پر دلالت کرتا ہو اور از روئے لغت اس کے علاوہ کوئی اور معنی مراد لینا متعذر ہو لیکن یہاں آیت (۱۹۹/۷) میں خُذْ عَفْوَ الْمَالِ کی بجائے "خُذِ الْعَفْوَ" کے الفاظ ہیں۔ اس لئے یہاں "زائد از ضرورت" مال کا مفہوم مراد نہیں لیا جا سکتا بلکہ "درگزر کرنے" کا مفہوم ہی صحیح مفہوم ہے۔

ثانیاً : اس لئے کہ یہ آیت قبل از ہجرت مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی تھی اور مکی دور میں سرے سے وہ نظامِ حکومت قائم ہی نہیں ہوا تھا (جسے پرویز صاحب نظامِ ربوبیت کا نام دے رہے ہیں) کہ اس کے سربراہ کو یہ کہنے کی ضرورت پڑتی کہ — "آپ لوگوں کے عفو المال اپنی تحویل میں لے لیں۔" — وہاں تو صورتحال یہ تھی کہ غریب مسلمان کفارِ مکہ کی چیرہ دستیوں کا شکار تھے۔ ان کے ظلم و ستم کا نشانہ بن رہے تھے۔ مارپیٹ، استہزاء و تضحیک، طعن و تشنیع، سب و شتم، مخالفت و عداوت اور سلب و نہب کی فضا میں ان کے لئے سانس لینا مشکل تھا۔ اس صورتِ حال میں ان ستم رسیدہ اور مظلوم و مقہور مسلمانوں سے ان کے ضرورت سے زائد مال کو اپنی تحویل میں لے لینے کا حکم قطعی طور پر غیر معقول حکم ہے اس صورتحال سے یہ حکم کوئی میل نہیں کھاتا۔ اس لئے لامحالہ خذ العفو" کا یہ معنیٰ کہ — اہلِ مال سے زائد از ضرورت مال لے کر اسے اپنی تحویل میں کر لو — " قطعی غلط معنیٰ ہے۔ آیت کا صحیح مفہوم یہی ہے کہ — "اے نبی! نرمی و درگزر کا رویہ اختیار کرو۔ معروف کی تلقین کئے جاؤ اور جاہلوں سے نہ الجھو۔"

ثالثاً : اس لئے کہ ربطِ آیات کا تقاضا یہ ہے کہ خذ العفو" کو "درگزر" کے مفہوم میں لیا جائے۔ آیت میں تین حکم دیئے گئے ہیں :

۱۔ عفو کو اختیار کیجئے۔

۲۔ معروف کی تلقین کرتے رہیئے۔

۳۔ جاہلوں کی جہالت سے کنارہ کش رہیئے۔

© rasailojaraid.com
محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com
© rasailojaraid.com

"خذ العفو" کا معنی "زائد از ضرورت مال" لینے کی صورت میں پہلا حکم اہلِ ایمان سے وابستہ ہوگا جبکہ اسی آیت کے باقی دونوں احکام (امر بالمعروف اور اعراض عن الجاہلین) کا تعلق کفار سے قائم ہوگا۔ اس طرح آیت کے ابتدائی حصے کا تعلق اہلِ ایمان سے جوڑنا اور باقیماندہ احکام کو اہلِ کفر سے وابستہ کرنا، اختلالِ نظم کا موجب ہے جبکہ تینوں احکام کا تعلق ایک ہی فریق (کفار) کے جوڑنے میں کسی قسم کا خلل اور سقم واقع نہیں ہوتا۔ اس لئے "خذِ العفو" کا یہ معنی کہ "درگزر کیجئے" ہی صحیح اور مناسب معنی ہے۔

رابعاً: اس لئے کہ ان الفاظ کا "زائد از ضرورت مال" کا معنیٰ لینے کی صورت میں عفو کے بعد مال کو بطورِ مضاف الیہ محذوف ماننا پڑتا ہے، لیکن "درگزر" کا معنی مراد لینے کی صورت میں کوئی محذوف نہیں ماننا پڑتا۔ اور یہ بات عالم، تو رہا ایک طرف عام آدمی بھی جانتا ہے کہ قرآن کا معنیٰ کرتے ہوئے اپنی طرف سے کوئی محذوف ماننے کی بجائے، بغیر محذوف کو مانے ہوئے اس کا مفہوم بیان کرنا اولیٰ انسب اور افضل ہے۔

خامساً: اس لئے کہ اس آیت اور اس کے بعد والی آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر کو حکمتِ تبلیغ کی تعلیم دی ہے۔ اس لئے ان آیات کے مضمون ومدعا کی روشنی میں ان جملہ احکام کو ان معانی پر محمول کرنا جو حکمتِ تبلیغ سے میل کھاتے ہوں اَقْرَبُ اِلَی الصَّوَاب ہے بہ نسبت اس کے کہ انہیں خودساختہ محذوفات کی بدولت ایسے معانی پہنائے جائیں جو نہ تو سیاقِ کلام سے کوئی مناسبت رکھتے ہیں اور نہ ہی اس دور سے جس میں یہ آیات نازل ہوئی تھیں۔

ان وجوہ کی بنا پر ہم یہ سمجھتے ہیں کہ "خُذِ الْعَفْوَ" کا وہی سابقہ مفہوم ہی درست ہے، جو پرویز صاحب اپنے اس نئے مفہوم سے قبل یوں پیش کرتے رہے ہیں:

"خُذِ الْعَفْوَ وَأْمُرْ بِالْعُرْفِ وَأَعْرِضْ عَنِ الْجَاهِلِيْنَ"

(الاعراف: ۱۹۹)

© rasailojaraid.com
محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com
© rasailojaraid.com

(بہر حال، تم ان کی ان باتوں کی وجہ سے اپنے پروگرام میں رکو نہیں) تم ان سے درگزر کرتے ہوئے، آگے بڑھتے جاؤ اور قاعدے اور قانون کے مطابق، انہیں خدا کے احکام دیتے جاؤ اور جہلاء سے کنارہ کش رہو۔ (اگر تم ان سے الجھتے رہے، تو یہ ناحق تمہارا وقت ضائع کریں گے)" (مفہوم القرآن ۱۹۹/۷)

آیت (۲۱۹/۲) :

اب آیئے! آیت (۲۱۹/۲) کی طرف، جناب پرویز صاحب نے اس کا معنیٰ یوں کیا ہے :

"پوچھتے ہیں کہ اپنی کمائی کا کتنا حصہ دوسروں کے لئے کھلا رکھنا ہوگا۔ ان سے کہو جتنا تمہاری ضروریات سے زائد ہو۔" (نظامِ ربوبیت ص ۱۵۸)

اگرچہ قواعدِ لغت کے اعتبار سے "عفو" کا یہ ترجمہ غلط نہیں ہے۔ لیکن ترجمہ کرتے ہوئے صرف قواعدِ لغت کو ہی نہیں دیکھا جاتا، بلکہ یہ بھی دیکھا جاتا ہے کہ وہ ترجمہ قرآن کی مجموعی تعلیم کے بھی مطابق ہے یا نہیں۔ جناب پرویز صاحب رقمطراز ہیں :

"جب کسی لفظ کے ایک سے زیادہ معانی ہوں اور قرآن کریم میں وہ لفظ مختلف آیات میں آیا ہو، تو قرآنی طالب علم کے لئے یہ دیکھنا ہوتا ہے کہ اس آیت میں اس لفظ کے متعدد معانی میں سے کون سا معنیٰ زیادہ موزوں ہے۔ اس لئے قرآن کے دیگر مقامات کو بھی سامنے رکھنا ہوگا۔ اس طریق سے جن معانی کو ترجیح دی جائے گی وہ قرآنی مفکر کا فکری اجتہاد ہوگا اور یہ ظاہر ہے کہ کسی (بڑے سے بڑے مفکر) کا فکری اجتہاد بھی نہ وحیِ خداوندی کی طرح حرفِ آخر ہو سکتا ہے اور نہ غیر متبدل۔ دوسرے تو ایک طرف، وہ خود بھی مزید غور و تدبر سے اپنے سابقہ فکری استنباط میں تبدیلی کر سکتا ہے بشرطیکہ اس کی تائید لغت اور قرآن کی کلی تعلیم سے ہوتی ہو۔"

(لغات القرآن ج ۱، ص ۵۵)

© rasailojaraid.com
محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com
© rasailojaraid.com

اگرچہ لغت کی رُو سے "ینفقون" کے قرینہ سے، عفو کا معنیٰ یہاں "زائد از ضرورت مال" ہو سکتا ہے، لیکن ہمیں دیکھنا یہ چاہیئے کہ اس معنیٰ کی تائید قرآن کریم کی کلی تعلیم سے ہوتی ہے؟ حقیقت یہ ہے کہ قرآن نے کہیں بھی یہ نہیں کہا کہ — وہ اپنی ساری زائد از ضرورت دولت کو صرف کر دے — بلکہ جہاں بھی حکم دیا ہے یہی حکم دیا ہے کہ — "وہ خدا کے عطا کردہ رزق میں سے بعض کو راہِ خدا میں صرف کر دے۔" اور یہ بعض حصہ بھی اس فاضلہ دولت میں سے ماخوذ ہوگا، جو فرد کا سب کی ضروریات سے زائد ہو۔ کیونکہ مال بقدرِ ضرورت و کفایت کا تو وہ ہر حال میں مستحق و مالک ہوگا، خواہ وہ خود کمائے یا کمانے سے معذور ہونے کی صورت میں حکومت کی طرف سے اسے عطا کیا گیا ہو، خود کمانے کی صورت میں تو اس کا استحقاق ظاہر ہی ہے اور معذور ہونے کی صورت میں بقدرِ کفایت مال اس کے حوالے کرنا اسلامی حکومت کی ذمہ داری ہے

الغرض! قرآن کی مجموعی اور کلی تعلیم یہ نہیں ہے کہ فرد کاسب اپنا تمام عفو المال حکومت کے حوالے کر ڈالے، بلکہ یہ ہے کہ وہ خدا کے عطا کردہ اس رزق میں سے بعض کو اس کی راہ میں صرف کر دے۔ چند آیات کو ملاحظہ فرمائیے جن سے آپ کو اسلام کی کلی اور مجموعی تعلیم کا بخوبی اندازہ ہو جائے گا۔

"يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَنفِقُوا مِمَّا رَزَقْنَاكُم مِّن قَبْلِ أَن يَأْتِيَ يَوْمٌ لَّا بَيْعٌ فِيهِ وَلَا خُلَّةٌ وَلَا شَفَاعَةٌ" (البقرۃ: ۲۵۴)

"اے ایمان والو! جو مال ہم نے تمہیں بخشا ہے اس میں سے خرچ کرو۔ قبل اس کے کہ وہ دن آئے جس میں نہ خرید و فروخت ہوگی نہ دوستی کام آئے گی اور نہ سفارش چلے گی۔"

"يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَنفِقُوا مِن طَيِّبَاتِ مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّا أَخْرَجْنَا لَكُم مِّنَ الْأَرْضِ" (البقرۃ: ۲۶۷)

"اے ایمان والو! جو مال تم نے کمائے ہیں اور جو کچھ ہم نے زمین سے تمہارے لئے نکالا ہے اس میں سے بہتر حصہ راہِ خدا میں خرچ کرو"

"وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ أَنفِقُوا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللَّهُ قَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا ... (یٰس: ۴۷)

© rasailojaraid.com
محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com
© rasailojaraid.com

"جب بھی ان سے کہا گیا کہ اللہ نے جو رزق تمہیں دیا ہے اس میں سے کچھ اللہ کی راہ میں بھی خرچ کرو، تو کفار نے یہی کہا کہ ......"

امتِ مسلمہ کے افراد کو انفاقِ اموال کا جو حکم دیا گیا ہے، اس کے الفاظ یہ ہیں:

"أَنفِقُوا مِمَّا جَعَلَكُم مُّسْتَخْلَفِينَ فِيهِ" (الحدید : ۷)

"ان چیزوں میں سے خرچ کرو، جن پر اللہ نے تم کو خلیفہ بنایا ہے۔"

"وَأَنفِقُوا مِن مَّا رَزَقْنَاكُم مِّن قَبْلِ أَن يَأْتِيَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ" (المنافقون : ۱۰)

"جو رزق ہم نے تمہیں دیا ہے اس میں سے خرچ کرو، قبل اس کے کہ تم میں سے کسی پر موت آجائے۔"

"قُل لِّعِبَادِيَ الَّذِينَ آمَنُوا يُقِيمُوا الصَّلَاةَ وَيُنفِقُوا مِمَّا رَزَقْنَاهُمْ" (ابراھیم : ۳۱)

"اے نبی! میرے صاحبِ ایمان بندوں کو فرما دو کہ وہ نماز قائم رکھیں اور جو کچھ ہم نے دیا ہے اس میں سے خرچ کرتے رہیں۔"

مشتے نمونہ از خروارے۔ یہ آیات اس امر کو واضح کر دیتی ہیں کہ اسلام نے اپنے پیروکاروں کو یہ حکم دیا ہی نہیں ہے کہ وہ اپنی ساری زائد از ضرورت دولت حکومت کی تحویل میں دے دیں بلکہ اس کا حکم صرف یہ ہے کہ اس دولت کا بعض حصہ راہِ خدا میں صرف کر دیا جائے۔ یہ تو وہ آیات ہیں جن میں انفاق کا حکم دیا گیا ہے۔ اب وہ آیات ملاحظہ فرمائیے، جن میں ان احکام پر عمل پیرا ہونے والے مؤمنین کی تحسین فرمائی گئی ہے اور وہ بھی ان کے اس فعل پر نہیں کہ وہ اپنی ساری زائد از ضرورت دولت حکومت کی تحویل میں دے دیتے ہیں بلکہ اس پر کہ وہ اپنے اموال میں سے ایک حصہ خدا کی راہ میں صرف کرتے ہیں۔

سورۃ البقرۃ کی ابتداء میں اہلِ تقویٰ مومنین کا ذکر ان الفاظ میں کیا گیا ہے:

"الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِالْغَيْبِ وَيُقِيمُونَ الصَّلَاةَ وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنفِقُونَ" (البقرۃ : ۳)

© rasailojaraid.com

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com
© rasailojaraid.com

"وہ لوگ غیب پر ایمان، اور نماز قائم رکھتے ہیں اور جو کچھ ہم نے انہیں دے رکھا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔"

انہی لوگوں کو قرآن نے سندِ فلاح و کامیابی عطا فرمائی ہے۔

"أُولَٰئِكَ عَلَىٰ هُدًى مِّن رَّبِّهِمْ ۖ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ"

(البقرۃ : ۵)

"یہی وہ لوگ ہیں جو اپنے رب کی طرف سے ہدایت پر ہیں اور یہی کامیاب و کامران لوگ ہیں۔"

سورۃ الانفال میں، جن لوگوں کو سچے اور پکے مومن قرار دیا گیا ہے۔ ان کی خوبی یہ ہے کہ:

"الَّذِينَ يُقِيمُونَ الصَّلَاةَ وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنفِقُونَ"

(الانفال : ۳)

"یہ وہ لوگ ہیں، جو نماز قائم رکھتے ہیں اور جو رزق ہم نے انہیں دے رکھا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔"

سورۃ الحج میں اہل ایمان کا تذکرہ یوں کیا گیا ہے۔

"وَالْمُقِيمِي الصَّلَاةِ وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنفِقُونَ" (الحج : ۳۵)

"وہ نماز قائم کرنے والے ہیں اور جو رزق ہم نے انہیں دے رکھا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔"

سورۃ القصص میں مومنین کے انفاق کی مدح سرائی یوں کی گئی ہے:

"وَيَدْرَءُونَ بِالْحَسَنَةِ السَّيِّئَةَ وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنفِقُونَ"

(القصص : ۵۴)

"وہ برائی کو بھلائی سے دفع کرتے ہیں اور جو رزق ہم نے انہیں عطا کر رکھا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔"

سورۃ السجدۃ میں ان کے انفاق کا حال بایں الفاظ پیش کیا گیا ہے:

"يَدْعُونَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَطَمَعًا وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنفِقُونَ"

(السجدۃ : ۱۶)

© rasailojaraid.com

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com
© rasailojaraid.com

"وہ اپنے رب کو خوف اور طمع کے ساتھ پکارتے ہیں اور ہمارے عطا کردہ رزق میں سے خرچ کرتے ہیں۔"

سورۃ الشوریٰ میں مؤمنین کے اوصاف یوں بیان کئے گئے ہیں:

"وَأَمْرُهُمْ شُورَىٰ بَيْنَهُمْ وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنفِقُونَ" (الشوریٰ: ۳۸)

"وہ اپنے معاملات باہمی مشورے سے چلاتے ہیں اور ہم نے جو کچھ بھی رزق انہیں دیا ہے وہ اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔"

ان آیات کی روشنی میں ہر شخص خود دیکھ سکتا ہے کہ قرآن کی کلی اور مجموعی تعلیم یہ ہے کہ تمام زائد از ضرورت دولت کو خرچ کرتے ہوئے حوالۂ حکومت کیا جائے یا یہ کہ عفو المال میں سے ایک حصہ صرف کیا جائے، خواہ حکومت کے اجتماعی نظام کے توسط سے یا براہِ راست؟

اگر کوئی شخص فی الواقع خالی الذہن ہو کر قرآن کی ان آیات کا مطالعہ کرے تو وہ ہرگز یہ باور نہیں کر سکتا کہ قرآن پورے عفو المال کو خرچ کر دینے کا حکم دیتا ہے۔ یہ مفہوم قرآن سے اس وقت بتکلف نچوڑا جاتا ہے جب کوئی شخص اشتراکیت پر پیشگی ایمان لا کر قرآن کا مطالعہ کرتا ہے پھر تو ظاہر ہے کہ ساون کے اندھے کو ہر طرف ہرا ہی ہرا نظر آئے گا۔ لیکن اگر کوئی شخص اپنے دل و دماغ کو ہر قسم کے تصورات سے پاک کر کے بارگاہِ قرآن میں آتا ہے، تو وہ یہ باور کئے بغیر نہیں رہ سکتا کہ قرآن پورے عفو المال کے انفاق کا روادار نہیں ہے بلکہ وہ اعتدال اور توسط کی ایسی تعلیم دیتا ہے کہ نہ کوئی اسراف و تبذیر پر اتر آتا ہے اور نہ ہی بخل و کنجوسی پر۔ وہ مؤمنین کی مدح سرائی ان الفاظ میں کرتا ہے کہ:

"وَالَّذِينَ إِذَا أَنفَقُوا لَمْ يُسْرِفُوا وَلَمْ يَقْتُرُوا وَكَانَ بَيْنَ ذَٰلِكَ قَوَامًا" (الفرقان: ۶۷)

"یہ وہ لوگ ہیں جو خرچ کرتے ہیں، تو نہ فضول خرچی کرتے ہیں، نہ بخل بلکہ ان کا خرچ دونوں انتہاؤں کے درمیان اعتدال پر ہوتا ہے۔"

غور فرمائیے! اگر قرآن کی تعلیم واقعی یہ ہوتی کہ ... کا ... پس زائد از

© rasailojaraid.com
محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com
© rasailojaraid.com

ضرورت دولت رہ ہی نہیں سکتی ـــ اور افراد کی انفرادی ملکیت صرف بقدرِ کفایت مال تک محدود ہوتی تو اس صورت میں اسراف کا سرے سے کوئی امکان ہی نہیں رہتا کہ اسے اسراف سے منع کیا جاتا اور میانہ روی کا حکم دیا جاتا ۔ بَیۡنَ ذٰلِکَ قَوَامًا کی روش تو وہی شخص اختیار کر سکتا ہے جس کے پاس زائد از ضرورت دولت ہو اور پھر خرچ کرنے میں افراط و تفریط کی دونوں راہیں اس کیلئے کھلی ہوئی ہوں مگر وہ اپنے تقاضائے ایمان سے نہ بخل کرے اور نہ ہی اسراف و تبذیر کرے ۔ جس کے پاس مال ہو ہی حسبِ ضرورت اور بقدرِ کفایت وہ بیچارا کیا اسراف و بخل کرے گا ۔ ایک مقام پر قرآن کے الفاظ یہ ہیں :

وَلَا تَجۡعَلۡ يَدَكَ مَغۡلُولَةً إِلَىٰ عُنُقِكَ وَلَا تَبۡسُطۡهَا
كُلَّ ٱلۡبَسۡطِ فَتَقۡعُدَ مَلُومًا مَّحۡسُورًا (الاسراء : ۲۹)

"نہ تو اپنا ہاتھ گردن سے باندھے رکھ اور نہ اسے بالکل کھلا چھوڑ کہ تو ملامت زدہ اور عاجز بن کر رہ جائے ۔"

اگر فی الواقعہ قرآن کے پیشِ نظر اشتراکیت کا وہی نظام قائم کرنا ہوتا جس پر پرویز صاحب نے "نظامِ ربوبیت" کا لیبل چپکا دیا ہے اور جس میں افراد معاشرہ ، حکومت کے قیدیوں کی حیثیت میں کولہو کے بیل کی طرح سارا دن کام کاج میں جتے رہتے اور شام کو بقدرِ کفایت چند سکے اور دو روٹیاں اس کی ضرورت کو پورا کرنے کے لئے بالکل اسی طرح مل جائیں جس طرح کولہو کے بیل کو شام کے وقت ہری بھری گھاس مل جاتی ہے اور افراد کے پاس ان کی محنت کے ماحصل میں سے صرف بقدرِ ضرورت ہی انہیں میسر آتا اور باقی اس کی محنت کی کمائی حکومت کی تحویل میں چلی جاتی تو قرآن صرفِ اموال میں اعتدال و توسط کی یہ تعلیم ہی سرے سے نہ دیتا ۔ قرآن کی مجموعی اور کلی تعلیم میں ان امور کا موجود ہونا اس بات کا بیّن ثبوت ہے کہ وہ ایسے نظامِ معیشت کا علمبردار ہے ، جو ذاتی ملکیت کے اصولوں کی نفی نہیں کرتا بلکہ وہ اس بات کے حق میں ہے کہ افراد کے پاس عفو المال رہے اور وہ اپنے ایمانی تقاضوں کی روشنی میں دل و دماغ کی پوری آمادگی کے ساتھ راہِ خدا میں فراخدلی سے خرچ کرتے رہیں

© rasailojaraid.com
محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com
© rasailojaraid.com

"قُلِ الْعَفْوَ" کا صحیح مفہوم

اب آئیے قُلِ الْعَفْوَ کے معنی و مفہوم کی طرف۔ ہمارے نزدیک "عفو" کا مفہوم "زائد از ضرورت مال" نہیں ہے بلکہ "بہترین اور محبوب مال" ہے۔ لغت اور قرآن دونوں سے اس معنیٰ کی تائید ہوتی ہے۔ جہاں تک لغت کا تعلق ہے وہ "عفو" کے دیگر معانی کے علاوہ اس معنیٰ کو بھی تسلیم کرتی ہے، جو ہم نے پیش کیا ہے۔ خود جناب پرویز صاحب رقمطراز ہیں:

"عفو" کے معنی "بہترین چیز" کے ہوتے ہیں۔ نیز وہ چیز جس میں کسی قسم کی تکلیف و مشقت نہ اٹھانی پڑے۔"

(لغات القرآن، ص ۱۱)

جہاں تک قرآن کا تعلق ہے سو وہ یہ کہتا ہے کہ "اَنْفِقُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا كَسَبْتُمْ" (البقرۃ: ۲۶۷) طَیِّبَات کی وضاحت کرتے ہوئے جناب پرویز صاحب رقمطراز ہیں:

طیّب۔ راغب نے کہا ہے کہ اس کے اصل معنی ہیں وہ چیز جس سے انسان کے حواس بھی لذت یاب ہوں اور نفس بھی، یعنی ہر وہ چیز جو دیکھنے، سونگھنے، سننے اور کھانے میں بھی پسندیدہ ہو اور اس سے انسانی نفس بھی کیف اندوز ہوں۔ الاطاییب اور المطاییب پسندیدہ اور بہترین چیزیں۔" (لغات القرآن ۱۱۰۲)

اس کے بعد آیت (۲/۲۶۷) کا وہ مفہوم بھی ملاحظہ فرمائیے، جو جناب پرویز صاحب نے لکھا ہے:

"اے مؤمنین! تم زمین کی پیداوار میں سے بھی اور اپنی صنعت و حرفت میں سے بھی جو کچھ کماؤ اس میں سے بہترین حصہ کو نظامِ ربوبیت کے قیام کے لئے کھلا رکھو۔ اس قسم کا بھولے سے بھی ارادہ نہ کرو کہ اس مد میں ایسی نکمی چیزیں دی جائیں، جو...." (مفہوم القرآن، ص ۱۰۶)

ایک اور مقام پر قرآن یہ بیان کرتا ہے کہ:

"لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ" (آل عمران: ۹۲)

© rasailojaraid.com

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com
© rasailojaraid.com

"تم نیکی کو نہیں پا سکتے جب تک کہ تم اپنی محبوب اشیاء میں سے (راہ خدا میں) خرچ نہ کرو۔"

اور ظاہر ہے کہ انسان کی محبوب اشیاء وہی ہوتی ہیں، جو اچھی اور بہترین ہوں۔

اس کے علاوہ اس معنی کو یہ چیز بھی تقویت پہنچاتی ہے کہ قرآن کریم کے تیئیس سالہ دورِ نزول میں ہر مرحلے پر اللہ تعالیٰ نے ایسے احکام نازل فرمائے ہیں جو بالواسطہ یا بلاواسطہ فاضلہ دولت کی انفرادی ملکیت پر دلالت کناں ہیں۔ ان احکام کے نتیجہ میں عملاً جو نظام متشکل ہوا اس میں کہیں بھی اس اصول کی نفی نہیں کی گئی۔ زکوٰۃ و میراث، بیع و شراء، صدقہ و خیرات اور لین دین کے احکام (جو انفرادی ملکیت اور فاضلہ دولت کے وجود کو متضمن ہیں) آخری دورِ نبوی تک نازل ہوتے رہے۔ ان کیلئے یہ کہنا کہ — " یہ سب عبوری دور کے احکام ہیں۔" (نظامِ ربوبیت، ص ۱۹۴) قطعی بے جا بات ہے۔ یہ محض ایک دعویٰ ہے جس کی پشت پر کوئی دلیل و برہان نہیں ہے۔ دورِ نبوی تو رہا ایک طرف۔ خلافتِ راشدہ تک میں شخصی اور انفرادی ملکیت کو ثابت کرنے والے بے شمار واقعات ہیں اور خود قرآن بھی اس حقیقت پر شاہد عدل ہے۔ سورۃ التوبہ قرآن کی ان سورتوں میں ہے، جو سب سے آخر میں نازل ہوئی ہیں۔ اس سورہ میں غزوہ تبوک پر تبصرہ کیا گیا ہے اور غزوہ تبوک رجب ۹ھ میں ہوا تھا جس سے یہ ظاہر ہے کہ سورۃ التوبۃ رجب ۹ھ کے بعد ہی نازل ہوئی ہے۔ اس سورت میں ان آیات کو ملاحظہ فرمائیے، جو ذاتی ملکیت کا منہ بولتا ثبوت ہیں:

"وَمِنَ الْأَعْرَابِ مَنْ يَتَّخِذُ مَا يُنْفِقُ مَغْرَمًا" (التوبۃ: ۹۸)

"ان بدویوں میں ایسے لوگ بھی ہیں، جو راہِ خدا میں خرچ کرنے کو اپنے اوپر زبردستی کی چٹی سمجھتے ہیں۔

"وَمِنَ الْأَعْرَابِ مَنْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَيَتَّخِذُ مَا يُنْفِقُ قُرُبَاتٍ عِنْدَ اللّٰهِ" (التوبۃ: ۹۹)

"ان بدویوں میں کچھ ایسے بھی ہیں جو اللہ اور آخرت پر ایمان رکھتے ہیں۔

© rasailojaraid.com
محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com
© rasailojaraid.com

اور راہِ خدا میں خرچ کرنے کو تقرّبِ الٰہی کا ذریعہ سمجھتے ہیں۔"
غزوۂ تبوک میں دامے، درمے، قدمے، سخنے حصہ لینے والے مخلصین کو یہ خوشخبری دی گئی:

"وَلَا يُنفِقُونَ نَفَقَةً صَغِيرَةً وَلَا كَبِيرَةً وَلَا يَقْطَعُونَ وَادِيًا إِلَّا كُتِبَ لَهُمْ لِيَجْزِيَهُمُ اللَّهُ أَحْسَنَ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ" (التوبۃ: ۱۲۱)

"ایسا کبھی نہیں ہوگا کہ اہلِ ایمان (راہِ خدا میں) تھوڑا یا بہت کوئی خرچ کریں اور (سعیٔ جہاد میں) کوئی وادی عبور کریں اور ان کے حق میں اسے لکھ نہ لیا جائے تاکہ اللہ ان کے ان کارناموں پر انہیں بہت ہی بہتر اجر عطا فرمائے۔"

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اہلِ ایمان سے "صدقات" وصول کرنے کا حکم دیا گیا:

"خُذْ مِنْ أَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيهِم بِهَا وَصَلِّ عَلَيْهِمْ" (التوبۃ: ۱۰۳)

"اے نبی! تم ان کے اموال میں سے صدقہ لے کر انہیں پاک کرو اور نیکی میں انہیں آگے بڑھاؤ اور ان کے حق میں دعا کرو۔"

ان جملہ آیات میں انفاقِ اموال کا ذکر اس طرح کیا گیا ہے کہ فاضلہ دولت کی انفرادی ملکیت گویا اسلامی نظامِ معیشت کی ایک طے شدہ پالیسی ہے۔ اگر قُلِ العَفْوَ (۲۱۹/۲) اور خُذِ العَفْوَ (۱۹۹/۷) کا یہی مفہوم ہوتا کہ افراد کی زائد از ضرورت دولت کو ریاست اپنی تحویل میں لے لے تو "نفقة صغيرة" اور "نفقة كبيرة" کا وجود ہی نہ ہوتا اور افراد کے پاس کچھ خرچ کرنے کے لئے زائد از ضرورت دولت کا وجود ہی نہ ہوتا۔ کجا یہ کہ وہ خرچ کرتے اور پھر اپنے ان انفاقات کو زبردستی کی چٹی سمجھتے یا قربِ الٰہی کا ذریعہ۔ حضور اکرمؐ کو وصولیٔ "صدقات" کا حکم اسی لئے تو دیا گیا ہے کہ لوگ اپنی فاضلہ دولت کے آپ مالک تھے۔ اگر حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سربراہِ مملکت کی حیثیت سے لوگوں کے پاس بقدرِ کفایت اور حسبِ ضرورت ہی مال و دولت

© rasailojaraid.com

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com
© rasailojaraid.com

چھوڑتے، تو ان کے پاس سرے سے وہ عفو المال ہی نہ ہوتا جس میں سے آپ "صدقات" وصول فرماتے۔

الغرض ! ان آیات سے یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ رجب ۹ ھ کے بعد تک عہدِ نبوی میں ذاتی ملکیت اور فاضلہ دولت کے شخصی قبضے میں رہنے کا اصول جاری تھا۔ پھر ہمیں نہیں معلوم کہ "قُلِ الْعَفْوَ" اور "خُذِ الْعَفْوَ" کی روشنی میں اشتراکیت کا جو ایڈیشن، "قرآنی نظامِ ربوبیت" کے نام سے موسوم کیا جا رہا ہے۔ وہ کب نفاذ پذیر ہوا تھا۔؟

قابلِ غور بات

یہاں ایک اور قابلِ غور بات ہے۔ اگر عہدِ نبوی میں واقعی لوگوں میں زائد از ضرورت دولت، ان کی شخصی ملکیت سے نکل کر ریاست کی تحویل میں آتی رہتی تو بیت المال میں اس قدر مال و دولت کی فراوانی ہوتی کہ غزوہ تبوک میں اہلِ ایمان کو قلتِ اسلحہ اور اسباب جنگ و سفر کی کمی واقع نہ ہوتی، لیکن غزوہ تبوک میں حال یہ تھا کہ بعض افراد، جن کو سفرِ جنگ کے لئے سواری بھی میسر نہ تھی۔ وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو بیت المال میں بھی اس وقت قلتِ وسائل و ذرائع کا یہ عالم تھا کہ آپ انہیں کوئی سواری مہیا نہ کر سکے اور وہ لوگ اپنی اس معذوری پر بے لبی سے آنسو بہاتے ہوئے واپس آ گئے۔ قرآن کریم نے ایسے لوگوں کا ذکر آیت (۹/۹۲) میں کیا ہے جناب پرویز صاحب اس آیت کا مفہوم یوں بیان فرماتے ہیں :

"نہ ہی وہ لوگ پیچھے رہ جانے میں موردِ الزام قرار دیئے جا سکتے ہیں جن کی یہ حالت ہے کہ وہ (سفر کے لئے) سواری کی استطاعت نہیں رکھتے تھے، اس لئے وہ تیرے پاس درخواست لے کر آئے کہ ان کے لئے سواری کا انتظام کر دیا جائے اور تنگی کا یہ عالم تھا کہ تم بھی اس کا کچھ انتظام نہیں کر سکتے تھے اس لئے تم نے بھی اپنی معذوری کا اظہار کر دیا۔ چنانچہ وہ بے بس ہو کر لوٹ گئے، دریں عالم کہ ان کی آنکھوں میں آنسو رواں تھے اور ان کا دل اس احساس سے پھٹا جاتا تھا کہ افسوس ! آج ہمارے پاس اتنا بھی نہیں کہ ہم اپنی طرف سے جہاد کے

© rasailojaraid.com
محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com
© rasailojaraid.com

لئے سواری کا انتظام کر سکیں۔" (مفہوم القرآن، ص ۴۴۳)

یہ واقعہ اور قرآن پاک کی اس قسم کی آیات اس امر کو ہر شک وشبہ سے بالاتر کر دیتی ہیں کہ غزوہ تبوک کے بعد بھی فاضلہ دولت کی شخصی ملکیت کا اصول رائج تھا۔ علاوہ ازیں تاریخ وسیر اور کتب احادیث میں ایسے بے شمار واقعات مذکور ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ نہ صرف عہد نبویؐ میں بلکہ خلافتِ راشدہ میں بھی شخصی ملکیت کا اصول رائج تھا اور اسی نام نہاد "قرآنی نظام ربوبیت" کا نام تک نہ تھا جسے جناب پرویز صاحب کی قلم کاری نے قُلِ الْعَفْوَ اور خُذِ الْعَفْوَ کے قرآنی الفاظ سے کتاب اللہ کی علمی اور مجموعی تعلیم کے خلاف کشید کر ڈالا ہے مگر میں ان بے شمار واقعات کو صرف اس لئے پیش نہیں کر سکتا کہ پرویز صاحب ان کے جواب میں یہ فرما دیں گے کہ یہ سب تاریخی واقعات ہیں اور :

"دین میں سند نہ تاریخ کے مشمولات ہیں اور نہ مسلمانوں کے متواتر و متوارث عقائد و مسالک۔ سند ہے خدا کی کتاب۔"

(نظام ربوبیت، ص ۱۹۲)

"تاریخ بہر حال ظنی ہے اور قرآن یقینی۔ ظنی چیز کو یقینی کی روشنی میں پرکھنا ہوگا نہ کہ یقینی کو ظنی کے تابع رکھنا۔" (نظام ربوبیت، ص ۱۹۱)

واقعی! یہ بات شک و شبہ سے بالاتر ہے کہ قرآن فی الواقعہ وحی ہے۔ لہذا قطعی اور یقینی ہے۔ اس معاملے میں ہمیں جناب پرویز صاحب سے سو فیصد اتفاق ہے۔ ہمیں ان سے اختلاف تو اس امر میں ہے کہ وہ ایک نرالی اپروچ اختیار کرتے ہیں اور اسے منسوب الی القرآن کر کے یہ کہتے ہیں کہ — "یہی قرآنی مفہوم ہے اس کے سوا جو کچھ ہے وہ خلافِ قرآن ہے۔ فلہٰذا قابلِ رد ہے۔" — حالانکہ جسے وہ 'قابلِ رد' قرار دیتے ہیں وہ قطعاً قرآن کے خلاف نہیں ہوتا۔ بلکہ وہ صرف اس مفہوم کے خلاف ہوتا ہے جسے منسوب الی القرآن کر دیا جاتا ہے۔ اس لئے میں خود کو مجبور پا رہا ہوں کہ کتب احادیث و سیر میں مذکور شخصی ملکیت پر دلالت کرنے والے ان لاتعداد واقعات سے صرفِ نظر کر لوں، جو زیرِ بحث مسئلہ میں پرویز صاحب کے مؤقف کے بطلان پر شاہد عدل ہیں، لیکن ان میں سے ان واقعات کو پیش کرنے

© rasailojaraid.com

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com
© rasailojaraid.com

کا ہمیں پورا پورا حق حاصل ہے جو ان کی "قرآنی بصیرت" کی کسوٹی پر پورے اتر کر ان کی کتب میں استشہاداً جگہ پا چکے ہیں۔

شخصی ملکیت پر دالہ واقعات

قبل اس کے کہ ہم ان واقعات کو پیش کریں جو مال و دولت کی ذاتی ملکیت پر دلالت کناں ہیں، قارئین کے لئے یہ جان لینا ضروری ہے کہ قُلِ الْعَفْوَ کا حکم بعد از ہجرت نازل ہوا تھا اور خُذِ الْعَفْوَ کا حکم تو ہجرت سے بھی پہلے مکی دور میں نازل ہو چکا تھا۔ جب ہنوز نظامِ اسلامی نفاذ پذیر ہی نہیں ہوا تھا۔ ہمارا مؤقف یہ ہے کہ ان دونوں آیات (۲/۲۱۹ اور ۷/۱۹۹) کے نزول کے بعد بھی اموال و اراضی کی شخصی ملکیت کا اصول اس نظام مملکت میں رائج تھا، جو جنابِ رسالتماب صلی اللہ علیہ وسلم نے قائم فرمایا تھا اور خلافتِ راشدہ میں بھی برقرار رہا تھا۔

عہد نبوی میں دولت زر کی شخصی ملکیت

غزوہ تبوک (جو رجب ۹ ھ میں وقوع پذیر ہوا) میں لوگوں نے جس ایثار و قربانی سے کام لے کر اپنے اموال پیش کئے۔ اس کی تفصیل پرویز صاحب نے یوں بیان کی ہے:

"یہ معرکہ، اخلاص و منافقت کی امتحان گاہ تھا۔ چنانچہ ایک طرف صحابہ کا یہ عالم تھا کہ جو کچھ کسی کے پاس تھا، لیکر حاضر ہو گیا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے نوسو (۹۰۰) اونٹ، ایک سو گھوڑے اور ایک ہزار دینار پیش کئے۔ حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ نے چالیس ہزار درہم پیش کئے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کئی ہزار روپے کا نقد و جنس لے کر حاضر ہوئے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اپنے گھر میں اللہ اور رسول کی محبت کے سوا کچھ بھی چھوڑ کر نہ آئے حضرت ابوعقیل انصاری رضی اللہ عنہ نے دو سیر چھوہارے لا کر حاضر کئے اور عرض کی کہ رات بھر کسی کے کھیت پر مزدوری کر کے چار سیر چھوہارے حاصل کئے تھے، دو سیر بچوں کو دے آیا ہوں۔ اور دو سیر خدمتِ اقدس میں حاضر ہیں۔" (معارف القرآن، ج ۴ ص ۵۰۰)

یہ واقعہ اموال فاضلہ کی ذاتی ملکیت کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ اگر آیت ۲/۲۱۹ اور ۷/۱۹۹

© rasailojaraid.com
محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com
© rasailojaraid.com

کی روشنی میں "بقول پرویز صاحب" واقعی قرآنی حکم یہی ہوتا کہ افراد "زائد از ضرورت مال" اپنے پاس نہیں رکھ سکتے اور نظام حکومت کا واقعی یہی فریضہ ہوتا کہ وہ افراد سے ان کا عفو المال اپنی تحویل میں لے لیتا، تو صحابہ کرام کے پاس یقیناً اپنی ضروریات سے زائد یہ مال نہ ہوتا جواب وہ غزوہ تبوک (رجب ۹ ھ) میں پیش کر رہے ہیں۔ پھر یہ واقعہ، عفو سے متعلقہ دونوں آیات کے نزول کے بہت بعد کا واقعہ ہے حتیٰ کہ فتح مکہ کے بھی بعد کا یہ وقوع پذیر ہوا اس لئے یہ بھی نہیں کہا جا سکتا کہ شاید ابھی تک اسلامی حکومت قائم نہ ہو پائی ہو کیونکہ اسلامی حکومت کا قیام، مدینۃ الرسول میں ہجرت کے فوراً بعد عمل میں آ چکا تھا۔ اور غزوہ تبوک تک اس کی قلمرو میں تقریباً پورا جزیرۃ العرب شامل ہو چکا تھا۔

لہٰذا عہدِ رسالتمآب میں یہ بات ہر شک و شبہ سے بالاتر ہے کہ وہاں ذاتی ملکیت کی نفی کا اصول قطعی معدوم تھا۔ لوگ محنت کے ماحصل کو پاتے تھے۔ ذاتی ضروریات کو پورا کرنے کے بعد فاضلہ دولت ان کی ملکیت میں رہتی تھی۔ اس میں سے حسبِ استطاعت ملک کی راہ میں فراخدلی سے خرچ کرتے تھے۔

عہد نبوی و صدیقی میں تقسیمِ غنائم

اموالِ غنیمت میں سے چار خمس (۴/۵) کا مجاہدین میں تقسیم کیا جانا بھی مال و دولت کی انفرادی ملکیت کا زبردست ثبوت ہے۔ غنائم کی تقسیم اگرچہ ہر دور میں وقوع پذیر رہی ہے مگر عہد نبوی اور دورِ صدیقی میں تقسیمِ غنائم کا ذکر، خود پرویز صاحب نے بھی کیا ہے:

"رسول اللہ اور خلافتِ صدیقی میں قانون یہ تھا کہ مالِ غنیمت مجاہدین میں تقسیم کر دیا جاتا تھا" (شاہکارِ رسالت، ص ۳۷۹)

حضرت خالدؓ بن ولیدؓ (سیف اللہ) کی معزولی پر بحث کرتے ہوئے پرویز صاحب نے لکھا ہے کہ:

"حضرت عمرؓ نے انہیں (خالدؓ) کو مدینہ بلایا اور ان سے کہا کہ "تم کہاں کے ایسے دولت مند تھے کہ اس قدر خطیر رقم انعام میں دے دی۔" انہوں نے کہا کہ: "[illegible] مالِ غنیمت میں سے

© rasailojaraid.com
محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com
© rasailojaraid.com

حصہ میں آیا ہے، آپ حساب کر لیجئے جس قدر اس سے زائد ہو وہ لے لیجئے۔" چنانچہ حساب کیا گیا، تو ۸۰ ہزار درہم نکلے، ان میں سے ۶۰ ہزار چھوڑ دیئے گئے اور باقی بیس ہزار بیت المال میں داخل کر دیئے گئے . . . . ."

الغرض! مالِ غنیمت کا سپاہ میں تقسیم کیا جانا، مال و دولت کی انفرادی ملکیت کا کھلا ثبوت ہے۔

عہدِ فاروقی اور مال و دولت کی شخصی ملکیت

عہدِ فاروقی کا درج ذیل واقعہ بھی مال و دولت کی شخصی ملکیت کا آئینہ دار ہے:

"یہ واقعہ مشہور ہے کہ جب حضرت عمرؓ نے دیکھا کہ لوگ اپنی بیویوں کا مہر مقرر کرنے میں بڑی افراط سے کام لے رہے ہیں تو آپ نے ایک اجتماع میں اس کا ذکر کیا اور چاہا کہ مہر کی زیادہ سے زیادہ حد مقرر کر دی جائے۔ اس پر ایک کونے سے ایک عورت کی آواز آئی کہ یہ کیا؟ اللہ تعالیٰ نے تو فرمایا ہے کہ: وَآتَيْتُمْ إِحْدَاهُنَّ قِنطَارًا فَلَا تَأْخُذُوا مِنْهُ شَيْئًا (النساء: ۲۰) اور تم نے بیویوں میں سے کسی کو ڈھیروں مال بھی دے دیا ہو تو اس میں سے کچھ واپس نہ لو۔" حضرت عمرؓ یہ سن کر بول اٹھے کہ عورت نے سچ کہا ہے۔ عمر غلطی پر تھا۔ (شاہکارِ رسالت ص ۲۷۷)

شادی کے موقعہ پر لوگوں کا اپنی مالی حیثیت کے مطابق۔ عَلَى الْمُوسِعِ قَدَرُهُ وَعَلَى الْمُقْتِرِ قَدَرُهُ۔ کی روشنی میں حقیر یا خطیر رقم کو بصورتِ حق مہر بیویوں کو دے دینے کا عمل صریحاً اس معاشرت سے میل کھاتا ہے جس میں ذاتی ملکیتِ مال و دولت کا اصول متداول ہو اور لوگوں میں مساواتِ شکم کی بجائے "تفاضل فی الرزق" پایا جاتا ہو۔ خلافتِ فاروقی کا یہ واقعہ، اس امر کو مبرہن کر ڈالتا ہے کہ اس دور میں بھی مال و زر کی انفرادی ملکیت کا اصول کارفرما تھا۔ اگر ریاستِ فاروقی، لوگوں کی کمائی میں سے جملہ فاضلہ دولت خود اپنی تحویل میں لے [illegible] سے کوئی امکان

© rasailojaraid.com
محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com
© rasailojaraid.com

ہی نہ رہتا۔ اگر ریاست لوگوں کو عفو المال سے محروم کر دیا کرتی تو حق مہر کے تعین میں ان کے لئے کوئی راستہ ہی نہ رہتا کجا یہ کہ وہ افراط سے کام لیتے اور خلیفہ وقت کو ایک بیش بہا بیش حد مقرر کرنے کی نوبت پیش آتی اور خلیفہ عمرؓ سے مخاطب عورتؓ اس دروازے کو کھلا رکھنے پر زور دیتی جس سے بیویوں کے لئے حصولِ "قنطار" کا امکان وابستہ رہتا تھا۔ یہ سب کچھ تو اس نظامِ حکومت اور معاشرے ہی میں ممکن ہے جہاں شخصی ملکیت کا اصول جاری ہو اور لوگوں میں وہ مساواتِ شکم مفقود ہو جو آج سَوَآءً لِلسَّآئِلِينَ ( ) کے الفاظ سے کشید کی جا رہی ہے بلکہ ان میں تفاضل فی الرزق پایا جاتا ہو اور لاریب، خلافتِ فاروقی ایسے ہی نظامِ حکومت اور سماج کا منظر پیش کرتی ہے نہ کہ وہ منظر، جو ذہنِ پرویز کی خلاقی کا کرشمہ ہے۔

پرویز صاحب کا ایک تحریفی کارنامہ؟

ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ اموالِ غنیمت کا سپاہ افواج میں تقسیم کیا جانا بجائے خود مال و دولت کی کھلی دلیل ہے اور اسلام میں تقسیم غنائم کے قانون کا موجود ہونا اس امر کا ثبوت ہے کہ وہ انفرادی ملکیت کا علمبردار ہے۔ یہ نقطۂ نظر چونکہ پرویز صاحب کے اس مارکسزم کے خلاف ہے جسے وہ "نظامِ ربوبیت" کے نام سے پیش کرتے رہے ہیں اسی لئے انہیں اس قانون میں مطلوبہ تبدیلی واقع کرنے کے لئے تحریف کی راہ اختیار کرنا پڑی۔

قرآنِ کریم نے مالِ غنیمت کے متعلق یہ اصول دیا ہے کہ کل مالِ غنیمت کا پانچواں حصہ خدا اور رسول، رشتہ دار، یتامیٰ، مساکین اور مسافروں کے لئے ہے اور بقیہ چار خمس سپاہِ فوج میں تقسیم کر دیئے جاتے ہیں۔ مجاہدین میں مالِ غنیمت کی یہ تقسیم چونکہ صریح طور پر فاضلہ دولت کی شخصی ملکیت کے وجود پر دلالت کرتی ہے، اس لئے پرویز صاحب نے اس بدیہی حقیقت پر پردہ ڈالنے کے لئے، آیت غنیمت کے مفہوم میں ایسی ترمیم بلکہ تحریف کی ہے جو قواعدِ زبان کے یکسر خلاف ہے۔ آیتِ غنیمت کے الفاظ ملاحظہ فرمایئے:

وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ وَ
لِلرَّسُوْلِ وَلِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ

© rasailojaraid.com

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com
© rasailojaraid.com

وَابْنِ السَّبِيلِ " (الانفال : ۴۱)

" اور یہ جان لو کہ جو کچھ مال غنیمت تم نے پایا ہے اس کا پانچواں حصہ اللہ، رسول، رشتہ داروں، یتیموں، مسکینوں اور مسافروں کے لئے ہے۔"

آیت غنیمت کا جدید مفہوم پرویز

لیکن آج پرویز صاحب نے ان الفاظ کا مفہوم یہ بیان کیا ہے :

" یاد رکھو! میدان جنگ میں جو مال غنیمت بھی ملے گا اس میں سے پانچواں حصہ " خدا اور رسول " یعنی مملکت کی انتظامی ضروریات ـــ کے لئے رکھ کر باقی (یعنی ۴/۵ حصہ " قاسمی) ضرورت مندوں کی ضروریات پوری کرنے کے لئے صرف کیا جائے گا ـــ مثلاً (میدان جنگ میں جانے اور کام آجانے والوں کے) اقربا کے لئے ۔ یتیموں اور معاشرہ میں بے یار و مددگار، تنہا رہ جانے والوں کے لئے ۔ جو مدد کے محتاج ہوں ۔"

(مفہوم القرآن (۴۱/۸) مطالب الفرقان /ج ۶، ص ۹۶)

پرویز صاحب کے اس جدید مفہوم کے لحاظ سے کل مال غنیمت کا پانچواں حصہ " خدا و رسول " یعنی مملکت کی انتظامی ضروریات کے لئے ہوگا ۔ اور بقیہ ۴/۵ (چار خمس اقربا[1]، یتامیٰ، مساکین اور مسافروں کے لئے مخصوص ہوں گے ۔ جبکہ چودہ صدیوں پر محیط اسلامی ادب میں علماء امت کے نزدیک کل مال غنیمت کا پانچواں حصہ (۱/۵ حصہ) خدا، رسول ذوی القربیٰ، یتامیٰ، مساکین اور مسافر سب کے لئے ہے اور بقیہ چار خمس (۴/۵) سپاہ افواج میں تقسیم ہوں گے ۔

پرویز صاحب نے اپنے اس جدید ترجمہ و مفہوم میں آیت کو بدترین تحریف کا نشانہ بنایا ہے ۔ الفاظ آیت میں " لِلّٰهِ خُمُسَهُ وَلِلرَّسُوْلِ " کی بنیاد پر خدا و رسول کو

---

[1] وَلِذِي الْقُرْبٰى سے کون اور کس کے رشتہ دار مراد ہیں ؟ پرویز صاحب نے اس کے دو مختلف جواب دیئے ہیں ۔

(ا) میدان جنگ میں جانے اور کام آجانے والوں کے رشتہ دار ـــ مفہوم القرآن (۴۱/۸)

(ب) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے رشتہ دار ـــ معارف القرآن ج ۴، ص ۶۲۴

[2] کس کا یقین کیجئے کس کا یقین نہ کیجئے [illegible] لوگ [illegible] الگ الگ

© rasailojaraid.com

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com
© rasailojaraid.com

باقی مستحقین غنیمت سے علیحدہ کر کے ان کے لئے ایک خمس مخصوص کرنا اور ذِی الْقُرْبیٰ وَالْیَتَامیٰ وَالْمَسَاکِینِ وَابْنِ السَّبِیْلِ کو، خدا و رسول کے الفاظ سے اکھاڑ کر انہیں چار خمس کا مستحق قرار دینا، قواعدِ زبان کے قطعی خلاف ہے کیونکہ جس حرفِ جار "لام" کے تحت "خدا و رسول" کا ذکر ہے۔ اسی حرف جار کے تحت باقی مستحقین بھی مذکور ہیں۔ لہٰذا یہ تمام لوگ (جو آیت میں مذکور ہیں) خدا و رسول کیساتھ صرف اور صرف ایک خمس کے مستحق ہیں۔

ہمارا جی چاہتا ہے کہ ہم پرویز صاحب کے موقف کی تردید میں جمیع علماء امت کے اقتباسات پیش کریں، جس سے قانونِ غنیمت کے اس مفہوم کی تصویب ہو جاتی، جو ہم نے پیش کیا، لیکن ہم اسے صرف اس لئے پیش نہیں کریں گے کہ اتباعِ پرویز، ان کی تقلید میں یہ کہدیں گے کہ اسلاف کی سیدھی راہ پر چلنا، اندھے کی لاٹھی کا سہارا لینے کے مترادف ہے۔ اس لئے ہم یہاں پرویز صاحب ہی کا ایک اقتباس پیش کر رہے ہیں کیونکہ:

؎ مدعی لاکھ پہ بھاری ہے گواہی تیری

"اور جان رکھو کہ جو تمہیں مال غنیمت میں ملے، اس کا پانچواں حصہ اللہ کے لئے، رسول کے لئے (رسول کے) قرابتداروں کے لئے، یتیموں کے لئے، مسکینوں کے لئے اور مسافروں کے لئے نکالنا چاہیے (اور بقایا چار حصے مجاہدین میں تقسیم کر دیئے جا سکتے ہیں۔"

اس ترجمہ کے حاشیہ میں پرویز صاحب کے یہ الفاظ بھی موجود ہیں:

"مالِ غنیمت کا پانچواں حصہ بیت المال میں جمع ہو گا اور باقی چار حصے سپاہیوں میں تقسیم ہوں گے۔" (معارف القرآن ج ۴ ص ۹۲۴)

ایک اور قابلِ غور بات

یہاں ایک اور بات بھی قابلِ غور ہے سوال یہ ہے کہ "خدا و رسول" کے نام پر مالِ غنیمت کا ایک خمس الگ کر کے "نظامِ خداوندی کی تحویل میں رکھا گیا ہے۔ اس کا مصرف کیا ہے؟ — پرویز صاحب لکھتے ہیں:

"یہ مال سب کا سب نظامِ خداوندی کی تحویل میں رہنا چاہیئے تاکہ اس

© rasailojaraid.com

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com
© rasailojaraid.com

کو ضرورت مندوں کی ضروریات پوری کرنے کے لئے صرف کیا جائے"
(تفسیر مطالب الفرقان، ج ۶، ص ۹۷)

اور مال غنیمت میں سے ایک خمس نکال باقی چار خمس کا مصرف کیا ہے۔؟

پرویز صاحب، قمطراز ہیں:

"یاد رکھو! میدان جنگ میں جو مال غنیمت بھی ملے گا اس میں سے پانچواں حصہ "خدا اور رسول" یعنی انتظامی ضروریات مملکت۔ کے لئے رکھ کر باقی ضرورتمندوں کی ضروریات پوری کرنے کے لئے صرف کیا جائے گا۔"
(مفہوم القرآن (۴۱/۸) مطالب الفرقان، ج ۶، ص ۹۶)

اب جبکہ "خدا اور رسول" کے نام سے الگ کیا جانے والا ایک خمس غنیمت اور باقی مذکورین آیت کے نام سے الگ کئے جانے والے چار اخماس غنیمت کا مصرف ایک ہی ٹھہرا، تو پھر فہرست مستحقین غنیمت میں یہ فرق و امتیاز کیسا؟ جب سارا مال غنیمت ضرورت مندوں کے لئے ہی ہے، تو ایک خمس اور چار خمس میں اس کی تقسیم کیوں؟ پانی میں اس مدھانی کے چلانے کا فائدہ کیا؟

© rasailojaraid.com

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ